مولانا محمد حنیف ندوی

روایت کی دو قسمیں

صحابہ، تابعین اور ان کے اتباع کی عادت میں یہ بات داخل تھی کہ بالعموم آنحضرتؐ کے ارشادات، اعمال یا تقریرات کو من وعن بیان کیا جائے اور اپنی طرف سے اس میں کسی حذف یا اضافہ سے کام نہ لیں۔ بعض تو اس بارے میں اس درجہ احتیاط و تورع سے کام لیتے تھے کہ نہ صرف حرف یا کلمہ کی تبدیلی کو ناجائز سمجھتے تھے، بلکہ ان کے ہاں یہ بھی درست نہ تھا کہ روایت میں جو الفاظ جس ترتیب سے وارد ہوئے ہیں ان میں کسی طرح کی تقدیم و تاخیر کو روا رکھا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

من سمع حدیثاً فحدث بہ کما سمع فقد سلم۔

جس شخص نے حدیث سنی، اور اس کو جوں کا توں لوگوں تک پہنچا دیا، وہ احتساب سے بچ گیا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے وہ حدیث بیان کی جس میں اسلام کے ارکانِ خمسہ کا ذکر ہے۔ اس کو ایک شخص نے سنا، لیکن جب اس کو دہرایا تو اس کی اس ترتیب کو قائم نہ رکھ سکا، جو حدیث میں مذکور تھی۔ عبداللہ بن عمر نے اس پر فوراً اس کو ٹوکا اور بتایا کہ اس حدیث میں یہ الفاظ اس ترتیب سے آئے ہیں۔ رواتِ حدیث میں بعض حضرات یہ بھی گوارا نہیں کرتے تھے کہ حدیث میں اگر ایک لفظ مشدد آیا ہے تو اس کو لفظ خفیف سے بدل دیں۔

کچھ حضرات مزید احتیاط سے کام لیتے اور اس وقت تک مطمئن نہ ہوتے جب تک سننے والا حدیث کے الفاظ کو قلم بند نہ کرلے۔ محمد بن عمرو اپنے سامعین سے کہا کرتے تھے:

لا احدثکم حتی تکتبوہ۔

میں اس وقت تک حدیث بیان نہیں کروں گا، جب تک تم اس کو لکھ نہ لو۔

ابنِ عون کا کہنا ہے، میں نے تین اشخاص کو دیکھا جو روایت کے معاملے میں اس بات کے قائل تھے کہ اس میں الفاظ و حروف کی تبدیلی نہیں ہونی چاہیے۔ قاسم بن محمد کو حجاز میں، محمد بن سیرین

کو بصرہ میں اور رجا بن حیوہ کو شام میں۔

ابن عیینہ سے روایت ہے کہ حجاز کے محدثین یعنی ابن شہاب، یحییٰ بن سعید اور ابن جریج بھی اسی زمرے میں داخل ہیں، جو الفاظ و حروف کو من و عن بیان کرنے کے قائل ہیں۔ مالک بن انس کا بھی یہی مسلک تھا کہ حدیث و روایت میں الفاظ، حروف اور ترتیب کو بہرحال قائم رکھا جائے اور اس میں کسی نوع کے تغیر کو روا نہ رکھا جائے۔ یہ روایت باللفظ کی صورت ہے۔

اکثر روایات میں جو آنحضرتؐ سے منقول ہیں الفاظ و حروف کو بعینہٖ قائم رکھا گیا ہے یا باللفظ بیان کیا گیا ہے، اس کی تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ صحابہ و تابعین میں بعض حضرات کو اللہ تعالیٰ نے ایسا قوی اور غیر معمولی حافظہ بخشا تھا کہ ان کو الفاظ و حروف کے حفظ میں کوئی زحمت نہ اٹھانا پڑتی۔

ان کے حافظے کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ جب یہ احادیث کو سن لیتے تو یہ لوحِ قلب پر آپ سے آپ مرتسم ہو جاتیں۔ تاریخ میں اس نوع کے متعدد شواہد ملتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کو دیکھ لیجیے، ان کی مرویات و احادیث کا دائرہ کس درجہ وسیع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے ابن ابی ربیعہ کا قصیدہ، جو اسّی اشعار پر مشتمل ہے، ایک ہی بار سن کر یاد کر لیا تھا۔ زید بن ثابت نے نہ صرف بلوغت سے قبل ہی قرآنِ حکیم کا بیشتر حصہ حفظ کر لیا تھا، بلکہ ان سے متعلق یہ بھی مروی ہے کہ سترہ ہی دن میں عبرانی بھی سیکھ لی تھی۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ حفظ و ذہن کا کے معاملے میں نمونے کی حیثیت رکھتی تھیں اور اس امر کی متعدد مثالیں تاریخ و حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

تابعین میں نافع، ابن شہاب زہری، عامر الشعبی اور قتادہ بن دعامہ السدوسی بے نظیر حافظے کے مالک تھے۔ یہ صحیح ہے کہ روایات میں بسا اوقات مختلف طرق میں الفاظ و حروف کے اختلاف کا پتا چلتا ہے لیکن ان کا تعلق ان اخبار روایات سے ہرگز نہیں، جو تعبدیات یا جوامع کلم کے زمرے میں شمار ہوتی ہیں، بلکہ ان روایات سے ہے جو کسی واقعہ یا مشاہدہ کی عکاسی کرتی ہیں۔ ظاہر ہے ان مواقع پر ہر راوی کو اظہار و بیان کے لیے اس واقعہ یا مشاہدہ کو اپنے ہی الفاظ کا جامہ پہنانا چاہیے۔ اس لیے ان مرویات میں محض الفاظ یا پیرایہ بیان کے اختلاف کو مستبعد یا غیر طبعی نہیں قرار دیا جا سکتا۔

ان تصریحات کے پہلو بہ پہلو ایسی روایات بھی پائی جاتی ہیں، جن کو روایت بالمعنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ اور تابعین میں بعض حضرات نے اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا کہ آنحضرتؐ کے ارشادات

کا مفہوم و معنی بیان کرنے میں الفاظ کی پابندی نہ کی جائے لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب ضرورت اس کی مقتضی ہو۔ مثلاً یہ کہ انھیں تیقن کے ساتھ یہ یاد نہ رہے کہ آنحضرتؐ کے ٹھیک ٹھیک الفاظ کیا تھے؟ اس کے ساتھ وہ اس امر کی طرف یہ کہہ کر اشارہ بھی کر دیتے تھے کہ شاید آنحضرتؐ نے، یہ الفاظ استعمال فرمائے، یا اس سے ملتا جلتا پیرایہ بیان اختیار کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے میں مشہور روایت ہے کہ جب وہ یہ فرماتے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ بھی کہہ دیتے ھکذا، یا نحواً عن ھکذا۔ یعنی اس طرح یا اسی قسم کے الفاظ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمائے۔ ان کے احساسِ ذمہ داری اور خشیتِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ جب حدیث بیان کرتے تو سارا جسم کانپ اٹھتا۔

حضرت ابوالدرداء کی بھی یہ عادت تھی کہ جب حدیث کی روایت سے فارغ ہوتے تو اس بات کی تصریح ضرور کر دیتے۔ ھٰذا یا نحو ھٰذا۔ کہ یا تو یہ الفاظ تھے اور یا اس سے ملتے جلتے۔

محمد بن سیرین کا کہنا ہے کہ انس بن مالک قلیل الروایہ تھے، لیکن جب بھی حدیث بیان کرتے ازراہِ احتیاط یہ ضرور کہہ دیتے۔ او کما قال۔ یعنی یا تو یہ الفاظ تھے، یا جس طرح حضورؐ نے فرمایا۔

بعض صحابہ روایت بالمعنی کو جائز قرار دیتے تھے۔ اس کی تائید عروہ بن زبیر کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں انھوں نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میری مرویات لکھ لیتے ہو۔ عروہ بن زبیر نے کہا، جی ہاں میں آپ سے بھی حدیث سنتا ہوں، اور آپ کے علاوہ دوسرے اصحاب سے بھی، اور پھر اس حدیث کو قلم بند کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے پوچھا کہ میری روایت اور دوسروں کی روایت میں معنی و مفہوم کا اختلاف تو پایا نہیں جاتا۔ عروہ نے کہا جی نہیں۔ اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا: لا باس بذٰلک اس صورت میں حدیث بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اس بارے میں اس سے بھی واضح یہ روایت ہے۔ محمد بن سیرین کا کہنا ہے۔

ربما سمعت الحدیث عن عشرۃ کلھم یختلف فی اللفظ والمعنی واحد۔

میں اکثر ایک ہی حدیث دس اصحاب سے سنتا، سب کا پیرایہ بیان اگرچہ مختلف ہوتا، مگر معنی و مفہوم میں کوئی فرق نہ پایا جاتا۔

تحدیث بالمعنی کی جن اصحاب نے اجازت دی، ان میں عبداللہ بن مسعود، ابو الدرداء، انس بن مالک، عمرو بن دینار، عامر الشعبی، ابراہیم النخعی، ابن ابی نجیح، عمرو بن مرہ، سفیان بن عیینہ اور یحییٰ بن سعید القطان

ایسی جلیل القدر شخصیتیں شامل ہیں۔

اس سلسلے میں ان حضرات کا موقف یہ تھا کہ خود قرآنِ حکیم نے ایک ہی واقعہ کو باختلاف الفاظ، متعدد جگہ بیان کیا ہے، مگر بایں ہمہ ان میں معنی و مفہوم میں کوئی تضاد پایا نہیں جاتا، اس لیے اگر احادیث کی روایت میں بھی معنی و مفہوم کی یکسانی قائم رہے تو الفاظ کا اختلاف کوئی مضرت پیدا نہیں کرتا۔

روایت بالمعنی کی تائید آنحضرت کے اس طرزِ عمل سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت اکثر اپنے سفیروں کو مختلف قوموں کی طرف رسائل و خطوط دے کر بھیجتے۔ ظاہر ہے کہ یہ سفرا ان رسائل و خطوط کو ان لوگوں کی زبان ہی میں پیش کرتے اور اس بات کا خاص طور سے خیال رکھتے کہ ترجمے میں وہی الفاظ استعمال کیے جائیں جو آنحضرت کے الفاظ سے قریب تر ہوں۔ کیوں کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے اور ترجمے سے کام نہ لیتے تو اسلام کا پیغام ان لوگوں تک پہنچانا قطعی دشوار ہو جاتا۔

روایت بالمعنی کی اجازت سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ یہ تمام رواۃ کے لیے اذنِ عام کے مترادف ہے۔ صحابہ کو تو بلا شبہ یہ رعایت حاصل تھی کہ وہ آنحضرت کے ارشادات کو اپنے الفاظ میں بیان کریں، کیوں کہ انھوں نے آنحضرت کے فیضانِ صحبت سے استفادہ کیا تھا اور اسلام کی روح سے پوری طرح آشنا تھے، یہی نہیں احکام و مسائل کے پس منظر سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ لیکن صحابہ کے علاوہ جو رواۃ ہیں ان کے لیے ائمہ حدیث نے کچھ شرائط کا تعین کر رکھا ہے۔

الرامہرمزی کا کہنا ہے کہ امام شافعی نے اس محدث یا راوی کو روایت بالمعنی کی اجازت دی ہے جو دین میں ثقہ ہو، سچائی اور صدق میں مشہور ہو، عاقل ہو اور زبان کے تیور پہچانتا ہو، تاکہ معنی و مفہوم کو ادا کرنے کے لیے، وہ جو الفاظ منتخب کرے ان کو کسی غلط محمل پر محمول نہ کیا جا سکے۔

الماوردی کا قول ہے:

ان نسی اللفظ جاز، لانہ تحمل اللفظ والمعنی وعجز عن اداء احدھما فیلزمہ اداء الاخر لاسیما ان ترکہ قد یکون کتما للاحکام فان لم ینسہ لم یجز ان یوردہ لغیرہ لان فی کلامہ صلی اللہ علیہ وسلم من الفصاحۃ ما لیس فی غیرہ۔

اگر راوی روایت میں سے کوئی لفظ بھول جائے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس کے بجائے دوسرا لفظ استعمال کرے، اس لیے کہ اس نے حفظ کے سلسلے میں لفظ و معنی دونوں کو ملحوظ و مرعی رکھا ہے، لیکن ان میں کا ایک حصہ

چونکہ ذہن کی گرفت سے نکل گیا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے مترادف دوسرا لفظ استعمال کرے، ورنہ کتمانِ حق کا اندیشہ ہے، اور اگر وہ روایت کے الفاظ کو بھول نہیں پایا ہے تو اس کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ اصل لفظ کے بجائے دوسرا لفظ استعمال کرے، کیونکہ آنحضرتؐ کے کلام میں جو فصاحت پائی جاتی ہے، وہ دوسروں کے کلام میں پائی نہیں جاتی۔

علامہ سیوطی نے روایت بالمعنی کے بارے میں کہا:

ولا شك فی اشتراط ان لا یکون مما تعبّد بلفظه ... وعندی انه یشترط ان لا یکون من جوامع الکلم۔

یعنی روایت بالمعنی کے جواز کے بارے میں جو یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ اس کے الفاظ تعبدیات سے متعلق نہ ہوں، یہ صحیح ہے ... لیکن میرے نزدیک اس چیز کو بھی شرط قرار دینا چاہیے کہ روایت آنحضرتؐ کے حکیمانہ اور جامع کلمات پر مشتمل نہ ہو۔

ظاہر ہے یہ بحث اپنے موضوع کے اعتبار سے سراسر فنی ہے۔ دونوں مدرسۂ فکر کے حامل حضرات ایسے ہیں کہ جنھوں نے اپنے اپنے دور میں اشاعتِ سنت کی بھرپور کوشش کی ہے، اور اگر ہم یہ کہیں کہ صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین کی مخلصانہ جدوجہد ہی کا یہ ثمرہ ہے کہ احادیثِ رسول کا بہت بڑا ذخیرہ آئندہ نسلوں تک پہنچا، اور زندگی کا دستور العمل قرار پایا تو اس میں قطعی مبالغہ آرائی نہ ہوگی، بلکہ یہ اسلامی تاریخ اور شعور کی صحیح ترجمانی ہوگی۔ اور اب جب کہ یہ قیمتی ذخیرہ صحاح ستہ میں پوری احتیاط اور چھان بین کے بعد عہد بہ عہد منتقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے اور تدوین کی باقاعدہ شکل اختیار کر چکا ہے، روایت باللفظ یا روایت بالمعنی کی بحث ختم ہو جانی چاہیے۔

لیکن برا ہوا استشراق زدہ حضرات کا کہ انھوں نے نہ صرف از سرِ نو اس بحث کو چھیڑا اور اچھالا ہے بلکہ اس سے غلط نتائج اخذ کرنے کی مذموم سعی بھی کی ہے۔ حالانکہ ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ احادیث کا کثیر حصہ باللفظ ہی مروی ہے اور جہاں تک روایت بالمعنی کا تعلق ہے اس کا وقوع بھی صدرِ اوّل میں ہوا اور وہ بھی عند الضرورت، اور اس احتیاط کے ساتھ کہ معنی و مفہوم میں کوئی تغیر نہ رونما ہونے پائے۔ ظاہر ہے یہ وہ مبارک دور تھا جب لوگ عربیت کا صحیح ذوق رکھتے تھے، اور اس کے مختلف اسالیب کو خوب جانتے بوجھتے تھے، اور اس حقیقت سے بھی واقف تھے کہ آنحضرتؐ کا طرقِ تکلم کیا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس احتیاط کے باوجود روایت بالمعنی سے کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں، لیکن محدثین نے ایک ایک روایت کو مختلف طرق کے ذریعے جس دقتِ نظر سے دیکھا اور جانچا ہے اور متن و رجال کے نقد و تفحص کے سلسلے میں جس علمی اور تحقیقی مناہج کی طرح ڈالی ہے، اس کے بعد احادیث کی حجیت و استناد کے بارے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

ماخذ: السنۃ قبل التدوین تالیف محمد عجاج الخطیب۔